۵۔ خواتین سادہ لباس میں میک اپ اور خوشبو کے بغیر حاضر ہوں۔

اس طرح شرعی حدود کا لحاظ و پاس بھی رہے گا اور پردے کا مناسب انتظام بھی ہو جائے گا۔

اب ذیل میں وہ احادیث ملاحظہ ہوں۔ جن میں ہمارے موقف کی تائید بڑی وضاحت کے ساتھ نظر آتی ہے۔

صحیح مسلم کی روایت ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کسی شخص کی عورت مسجد میں جانے کی اجازت مانگے تو اسے منع نہ کرو۔ (رقم الحدیث ۸۹۱)

صحیح مسلم کی ہی ایک اور روایت ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ہم سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی عورت مسجد میں جائے تو خوشبو نہ لگائے۔ (رقم الحدیث ۹۰۰)

صحیح بخاری کی روایت ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب تمہاری عورتیں رات کو مسجد میں جانے کی اجازت مانگیں تو انہیں اجازت دے دو۔ (صحیح بخاری، جلد اول، ص ۱۱۹، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع۔ کراچی ۱۳۸۱ھ)

امام بزار اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت زید بن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کی بندیوں کو مسجدوں میں آنے سے مت روکو، تاہم انہیں چاہیے کہ وہ بغیر خوشبو کے آئیں۔ (حافظ نورالدین بن علی بن ابی بکر الہیثمی (متوفی ۸۰۷ھ) کشف الاستار جلد اول ص ۲۲۲)

حلیم۔۔ اللہ کا صفاتی نام یا ایک طعام؟

سوال: بعض لوگ محرم میں ایک خاص پکوان پکاتے ہیں۔ جسے کھچڑا یا حلیم کہتے ہیں۔ حلیم تو اللہ تعالیٰ کا نام ہے۔ پھر یہ پکوان کا نام کیوں؟ (محمد زین اقبال، کراچی)

جواب: بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے بیشمار صفاتی اسماء میں ایک اسم حلیم بھی ہے۔ اور وہ بھی اسی طرح تقدس، عظمت، بزرگی اور برکت کا حامل ہے۔ جس طرح اس کے دیگر اسماء۔ مگر یہ عجیب بات ہے کہ لوگوں نے اپنے ایک طعام کا نام اس اسم صفت پر رکھا ہوا ہے۔ جو کسی طرح بھی مناسب نہیں۔

ہاں بیٹے! اگر اچھا آدمی مرے تو وہ جنت میں جاتا ہے

پھر تو مر جانا اچھی ہی بات ہے

اور کیا

قبر میں آدمی سڑ گل جاتا ہے نا؟

ہاں سڑ گل جاتا ہے۔

تو پھر جنت میں کیا چیز جائے گی؟

یہ جسم تو فقط لباس ہے۔ آدمی کی روح یہ لباس چھوڑ کر دوسرا لباس پہن لیتی ہے اور جنت میں چلی جاتی ہے۔

میری یہ بات شاید پوری طرح اس کی سمجھ میں نہ آسکی مگر وہ خاموش ہو گیا اور سوچنے لگا۔ یہ گفتگو اس وقت ہوئی جب مرحومہ ابھی میو اسپتال میں تھیں۔

ماں کے انتقال کے بعد لوگوں کو روتا ہوا دیکھ کر مجھ سے پوچھا کہ یہ لوگ رو کیوں رہے ہیں؟ میں نے متوازن لہجے میں الگ لے جا کر بتایا کہ تمہاری باجی (مرحومہ کو ان کی ساری اولاد اور ان کے سب ملنے والے باجی کہا کرتے تھے) کا انتقال ہو گیا ہے نا۔ لوگ خواہ مخواہ رو رہے ہیں۔ یہ سن کر وہ زار زار رو دیا۔ میں نے اسے سمجھایا تو وہ ایک منٹ خاموش ہو گیا۔ اور مجھ سے ایک دلخراش سوال کیا کہ پھر اب میری ماں کون بنے گا؟ میں نے کہا میں تمہارا باپ بھی ہوں اور ماں بھی۔ اس کے علاوہ تمہاری تو بہت سی مائیں ہیں۔ تمہاری سب بہنیں بھی تو تمہاری مائیں ہی ہیں۔ اس کے بعد وہ مطمئن ہو گیا۔ اور اپنے عام مشاغل میں لگ گیا تھوڑی دیر کے بعد بہت سی عورتیں اور مرد جمع ہو گئے تو اس نے کہا۔

یہ لوگ رو کیوں رہے ہیں؟ باجی کو کتنی تکلیف تھی۔ اس سے نجات مل گئی۔ اس سڑی گلی دنیا سے وہ چلی گئیں۔ اب وہ بہت اچھی دنیا میں جا کر رہیں گی اس میں رونے کی کیا بات ہے؟

اس کے بالکل یہی الفاظ تھے جو میں نے نقل کیے ہیں۔ مجھے ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ اس بچے کے اندر کسی اچھے فلسفی مومن کی روح بول رہی ہے وہ کھانا کھا کر سو گیا۔ صبح وہ خوش و خرم دوسرے بچوں کے ساتھ کھیلتا رہا۔ دن کے ساڑھے بارہ بجے جنازہ اٹھنے لگا تو اس نے کہا کہ میں بھی ساتھ چلوں گا کیونکہ میں نے آج تک کوئی قبر نہیں دیکھی ہے۔ وہ جنازے کے ساتھ ساتھ قبرستان تک گیا۔ سب کے ساتھ نماز جنازہ ادا کی۔ دفن تک وہ ادھر ادھر مختلف قبروں کو دیکھتا رہا۔ سب مٹی ڈال چکے تو وہ بھی آیا اور اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے مٹی ڈالی۔ پھر اپنے نازک ہاتھوں سے پھولوں کی چادر کا ایک کونہ پکڑ کر چادر لگا رکھی

اور ہم سب کے ساتھ ہنستا کھیلتا گھر واپس آ گیا۔

عید کے دوسرے یا تیسرے دن وہ باصرار میرے ساتھ اپنی باجی کی قبر پر پھول چڑھانے گیا کچھ اور لوگ بھی تھے۔ اس وقت اس معصوم بچے نے مجھ سے پوچھا۔

اب اس قبر میں باجی پڑی ہوں گی؟

وہ یہاں کہاں؟ وہ تو جنت میں چلی گئیں۔

تو پھر اس میں کوئی چیز نہیں؟

قبر میں اب کیا رکھا ہے؟ اس کے بعد اس نے ایک عجیب سوال کیا

جب آدمی کو مرنا ہی ہے تو وہ پیدا کیوں ہوتا ہے؟

اللہ میاں اس لیے پیدا کرتے ہیں کہ دیکھیں آدمی اچھے کام کرتا ہے یا برے اگر اچھے کام کرے تو مرنے کے بعد جنت میں جاتا ہے اور برے کام کرے تو جہنم میں ڈال دیا جاتا ہے یہ قبر تو صرف ایک دروازہ ہے اس دروازے سے اچھے لوگ جنت میں جاتے اور برے جہنم میں پہنچ جاتے ہیں۔

غرض مجھ پر بھی عجیب نزول سکینہ تھا اور میرے فرزند پر تو اس سے بھی زیادہ نزول سکینہ آج تک ہے۔ اور میرے خیال میں صوفی صاحب کے خواب کی یہی تعبیر ہے۔

تجزیہ

اس داستان خواب کو بیان کرنے سے میرا مقصد صرف یہ ہے کہ نہ خوابوں پر زیادہ اعتماد کرنا چاہیے اور نہ خوابوں کی تعبیر پر۔ نہ ہر خواب کی تعبیر ضروری ہے اور نہ ہر تعبیر کا درست ہونا لازمی ہے۔ خواب اور اس کی تعبیر بالکل بے حقیقت چیز بھی نہیں لیکن اس پر زیادہ اعتماد کرنے سے بہت سی ذہنی اور عملی کمزوریاں پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ خواب و خیال کی دنیا میں جتنا زیادہ انہماک ہوگا۔ اتنا ہی دنیائے بیداری کے کارخانے میں خلاء پیدا ہو جائے گا۔ بلاشبہ دنیا امیدوں پر قائم ہے۔ لیکن موہوم توقعات میں کھو جانا بھی صحیح نہیں۔

تقریباً یہی حال کشوف کا بھی ہے۔ کشف وغیرہ پر بھی زیادہ اعتماد درست نہیں بعض اوقات تو خود صاحب کشف کشف کا مطلب نہیں سمجھتا اور بعض اوقات اس میں ایسا ابہام سا ہوتا ہے کہ اس میں کئی پہلو نکلتے ہیں۔ اور سننے والا اس سے جو مطلب اخذ کرتا ہے وہ غلط ثابت ہوتا ہے۔

یہ ہے وہ سبق جو مرحومہ کی موت مجھے دی گئی ہے۔ میں اسے اپنے تصور کو عام کرنے کی غرض سے شائع کر رہا ہوں۔ کوئی یوسف وقت ہو یا ابن سیرین جیسا تعبیر خواب کا ملکہ رکھتا ہو تو بے شک ایسی

تعبیروں پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ ورنہ خوابوں یا اس کی سرسری تعبیروں پر بیداری کی زندگی کا دارومدار نہیں رکھنا چاہیے۔

ناقابل تلافی نقصان

مرحومہ کی وفات سے میرا جو ناقابل تلافی نقصان ہوا وہ علمی و ادبی نقصان ہے۔ اس سلسلے میں ایک لطیفہ سن لیجیے۔ ایک بار مرحوم ڈاکٹر عبدالحکیم نے مجھ سے کہا: بعض الفاظ ہم لوگوں کی زبان پر ایسے بھی جاری ہیں جن کے صحیح مفہوم سے ہم لوگ آشنا نہیں۔ بتایئے ہم "حلوہ مانڈہ" بولا کرتے ہیں۔ مانڈے کا کیا مطلب ہے؟ میں نے کہا کل بتاؤں گا۔ دوسرے دن انہیں بتایا کہ حلوے کے ساتھ جو بڑے بڑے پراٹھے ہوتے ہیں۔ انہیں "مانڈا" کہتے ہیں۔ پوچھا۔ یہ کس لغت میں دیکھا ہے؟ میں نے کہا۔ "زوج اللغات" میں۔ پوچھا یہ کونسا لغت ہے؟ میں نے کہا یہ صرف میرے پاس ہے یہ کوئی کتاب نہیں بلکہ میری زوجہ محترمہ ہے۔ جس محاورے، روزمرہ، ضرب الامثال، کہاوت، الفاظ، تذکیر و تانیث وغیرہ کا مجھے علم نہیں ہوتا یا مجھے شک رہتا ہے اسے میں اسی زوج اللغات سے دریافت کر لیتا ہوں۔ اردو زبان میں میری استانی وہی ہیں۔ مرحوم خلیفہ صاحب نے اس پر ایک فرمائشی قہقہہ لگایا، اس کے بعد بھی انہوں نے کئی موقعوں پر مجھ سے بعض باتیں دریافت کیں۔ مرحوم کی کتاب "فکر اقبال" پر ایک اخبار (ہماری زبان کراچی) نے تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ اس میں خلیفہ صاحب نے "عار" کو مذکر لکھا ہے حالانکہ یہ مؤنث ہے۔ خلیفہ صاحب نے ہم لوگوں سے دریافت کیا۔ مولانا رئیس احمد جعفری نے کہا کہ عار مذکر ہے۔ میں نے کہا میرے کان اس کی تانیث سے آشنا ہیں۔ مزید تصدیق زوج اللغات سے کی جائے گی۔ دوسرے دن "زوج اللغات" نے میری رائے کی تائید کی اور اتفاق سے اسی دن "جامع اللغات" سے بھی اس کی تصدیق ہو گئی۔

میں جب کپور تھلے (مشرقی پنجاب) میں تھا تو جناب خواجہ حسن نظامی نے میرے پاس ایک کتاب بھیجی کہ اس کتاب کی تصحیح کر کے اس کی زبان کو سہل بنا دیا جائے۔ اس میں بلا مبالغہ پچاسوں محاورات، ضرب الامثال اور کہاوتیں ایسی تھیں جن سے میں بالکل ناواقف تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ دو چار مقامات کے سوا سارے مقامات مرحومہ ہی نے حل کیے تھے۔ ایک بار مولانا تمنا عمادی نے مجھے اپنی ایک غزل سنائی جس میں ایک مصرعہ یوں تھا

سایہ پڑا پڑا جب جو سرد ہو گیا

میں نے عرض کیا کہ مضمون کے متعلق تو کچھ عرض کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ لیکن ایک لفظ

کھلتا ہے۔ پڑا پڑا صحیح نہیں۔ کہنے لگے تم کوئی سند نہیں ہو۔ اندر جا کر دریافت کرو۔ میں نے جا کر اپنی زوج اللغات سے دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ پڑے پڑے ہونا چاہیے اس کے بعد مولانا ممدوح نے بھی تصحیح فرمالی۔

مجھے یاد ہے کہ کئی موقعوں پر میں نے مرحومہ سے کہا کہ فلاں لفظ جو تم بولتی ہو صحیح نہیں کیونکہ یہ فلاں قاعدے کے خلاف ہے۔ اس کا جواب انہوں نے ہمیشہ یہی دیا کہ قاعدہ و قانون آپ اپنے پاس رکھیے۔ یہ لفظ اس لیے صحیح ہے کہ میں یوں ہی بولتی ہوں۔ میری زبان قاعدے قانون سے نہیں بنی ہے۔ بلکہ قاعدے قانون میری زبان سے بنے ہیں۔ یہاں آ کر میرے پاس لاجوابی کے سوا اور کوئی جواب نہیں ہوتا تھا۔ میں نے ان کی کئی باتوں کو تسلیم نہیں کیا۔ اس کے باوجود ماہنامہ مہر نیمروز (کراچی) کی اس بات سے اتفاق ہے کہ مرحومہ کو اردو زبان میں درجۂ استناد حاصل تھا۔

ادبی لطیفے

مرحومہ کے بعض ادبی لطیفے بھی خوب ہوتے تھے۔ ایک بار وہ کوئی مسہلی دوا بنا رہی تھیں میں نے کہا اس میں نیم کی پتیاں بھی شامل کر لو۔ کہنے لگیں یہ آپ کہاں سے نیم حکیم بن کر ٹپک پڑے؟

ایک بار لکھنؤ میں ڈاکٹر عبدالعلی صاحب (ناظم ندوۃ العلماء) نے انہیں بتایا کہ بکری کا کچا دل پیس کر پی لیا کرو۔ مرحومہ نے برجستہ کہا۔ اس سے تو بزدل بن جانے کا بھی خطرہ ہے۔

مولانا عزیز الدین ندوی کی شادی شرف النساء سے ہوئی۔ مرحومہ نے مجھ سے کہا کہ میں ایک رومال کاڑھ رہی ہوں وہ انہیں میری طرف سے تحفے میں دے دیجیے گا۔ اس میں میں صرف ایک مصرعہ کاڑھنا چاہتی ہوں۔ میں نے پوچھا کون سا مصرعہ؟ کہنے لگیں: "گر قبول افتد زہے عز و شرف"۔ میں مصرعے کے اس انتخاب پر پھڑک اٹھا۔

لائل پور کے ہفت روزہ "المنبر" نے مرحومہ کی تعزیت کرتے ہوئے صحیح لکھا تھا کہ ۔۔۔ محمد جعفر کی ساری زندہ دلی اور شگفتگی مرحومہ ہی کے دم سے قائم تھی۔

فتوے کی اصلاح

سب سے زیادہ تعجب مجھے اس وقت ہوا جب مرحومہ نے میرے ایک فتوے کی اصلاح کی۔ وہیں کپور تھلے میں ایک بیوہ عورت کے (شوہر مرنے کے ڈیڑھ سال بعد) بچہ پیدا ہوا۔ مجھ سے پوچھا گیا کہ حلالی ہے یا حرامی؟ میں نے اسکنے پر لکھ دیا کہ حرامی ہے۔ پھر خیال آیا کہ عورتوں کا معاملہ ہے ذرا

اپنی بیوی سے بھی پوچھ لوں۔ مرحومہ نے کہا آپ کا فتویٰ بالکل غلط ہے۔ یہ کوئی ضروری نہیں کہ شوہر کے مرنے کے ڈیڑھ سال بعد جو بچہ پیدا ہو وہ لازماً حرامی ہو۔ ہوتا یہ ہے کہ بعض اوقات رونے دھونے یا ہاتھ پاؤں پیٹنے سے خون جاری ہو جاتا ہے اور بچے کی پرورش نہیں ہو پاتی لیکن وہ تخم محفوظ رہتا ہے اور جب خون بند ہو کر اسے غذا ملنے لگتی ہے تو اس کی پرورش شروع ہو جاتی ہے اور وہ بالکل حلالی بچہ ہوتا ہے۔ جو بہت دنوں کے بعد وجود میں آ جاتا ہے۔ پھر کہا: یوں حرامی ہونے کا امکان تو اس وقت بھی ہے جب کہ شوہر زندہ ہو لیکن شوہر کی وفات کے بہت دنوں کے بعد پیدا ہونا حرامی ہونے کی دلیل بالکل نہیں۔ اس کے بعد مرحومہ نے کئی مثالیں دیں۔ ایک مثال خود اپنے گھر کی ایک خادمہ (امینہ) کی دی اور کہا کہ اس کی پاکدامنی پر ادنیٰ سے ادنیٰ شبہ بھی نہیں کیا جا سکتا اور اس کے شوہر کے مرنے کے کوئی دو یا ڈھائی سال بعد بچہ ہوا۔

میرے لیے مرحومہ کی یہ تقریر بالکل نئی اور انوکھی تھی اس لیے یہ مسئلہ میرے حافظے سے بالکل غائب ہو چکا تھا۔ میں نے شرح وقایہ نکال کر دیکھنا شروع کیا۔ اس کے حاشیے پر یہ مسئلہ موجود تھا اور یہ بھی لکھا تھا کہ ضحاک اور عبدالعزیز ماجشونی چار سال بعد پیدا ہوئے تھے۔ اقل مدت حمل چھ ماہ ہے اور اکثر مدت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک دو سال تک ہے۔ لیث بن سعد کے نزدیک تین سال، امام شافعی کے نزدیک چار سال اور زہری کے نزدیک سات سال ہے۔ اس کے بعد میں نے مزید تحقیق شروع کی تو اس نتیجے پر پہنچا کہ فقہا کو زیادہ سے زیادہ مدت کی مثال سات سال کی مل سکی ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس سے زیادہ مدت بھی ہو سکتی ہے۔ وہاں کی ایک ہوشیار لیڈی ڈاکٹر "ہیراوتی" نے بتایا کہ بارہ سال تک کا سرٹیفکیٹ تو میں دے سکتی ہوں۔ ایک اور صاحب نے بتایا کہ کلکتہ ہائی کورٹ کا ایک فیصلہ بھی بارہ سال کی تائید کرتا ہے۔ واللہ اعلم۔

غرض میں نے اپنا فتویٰ فوراً بدل دیا کہ جب تک کوئی قوی ترین شہادت اس کے خلاف موجود نہ ہو یہ بچہ حلالی ہوگا۔ اور محض اتنی بات کہ شوہر کی وفات کے ڈیڑھ سال یا اس سے زیادہ مدت کے بعد بچہ پیدا ہوا ہرگز اس کے حرامی ہونے کی دلیل نہیں۔ مجھے اس ٹھوکر سے بچانے والی وہ مرحومہ تھی جو محض اردو زبان ہی کی نہیں بلکہ فقہ کی بھی استانی ثابت ہوئی۔

علمی ماحول

مرحومہ کو اشعار اس قدر یاد تھے کہ بیسیوں موقعوں پر جب کوئی مصرعہ یا پورا شعر یا کوئی لفظ میں بھول گیا تو میں نے انہیں سے دریافت کیا۔ مرحومہ ایک علمی گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں یعنی ان کی والدہ